OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.9 Issue 10 December 2021

عصر حاضر میں ملکی جامعات کی سطح پر "اسلام کا تصور تربیت" بطور مضمون اہمیت و جائزہ

AT THE LEVEL OF UNIVERSITY EDUCATION "ISLAMIC CONCEPT OF TRAINING" AS A SUBJECT: A RESEARCH REVIEW

Dr. Munazza Hayat
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakrya University, Multan

Zuha Qaisar
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakriya University, Multan.

Hafiz Intizar Ahmad
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, University of Okara, Okara.

Abstract: At the collective level, a man has the responsibility to reform himself; on the other hand he also has the responsibility to reform other members of society.In the society the principle is that every individual is responsible and accountable for his actions, but the members of the society who are not only self-sufficient but also in some respects. One is about oneself and the other is about the people concerned. Parents are responsible for the training of their children. The teacher is responsible for the training of his students. However, in a certain sphere this duty belongs to a group of Muslims. It is entrusted to him to become a "Da'i al-Khair" and to engage in the work of reforming and training the people with the spirit of benevolence. This article reviews that there is a need to publicize the true teachings of Islam, to introduce humanity to its virtues and to dispel misconceptions about it, and to bring the concept of Islam to the forefront. At present, experts are

recognizing the importance of social sciences due to social problems Therefore, it was necessary to work on this topic.

Key Words: Islam, Concept, Training, Students, Universities.

انسان جس معاشرے میں رہتا ہے یقیناً اس معاشرے کی اصلاح کا فریضہ بھی خود انسان پر ہی عائد ہوتا ہے۔ گو اصول یہی ہے کہ ہر فرد اپنے افعال کا خود ذمہ دار اور جوابدہ ہے لیکن معاشرے کے افراد جو نا صرف خود بااختیار ہیں بلکہ بعض اعتبار سے اختیار رکھتے ہیں ان کی ذمہ داری دوہری ہو جاتی ہے۔ ایک خود اپنی ذات کے بارے میں اور دوسری متعلقہ افراد کے تعلق سے، مثال کے طور پر والدین اپنی اولاد کی، اصلاح وتربیت کے ذمہ دار ہیں، استاد اپنے شاگردوں کی اصلاح وتربیت کے ذمہ دار ہیں ایک حاکم اپنی رعایا کے عام اخلاق کی درستی اور اصلاح وتربیت کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ اسلام معاشرے کی اصلاح کو دو دائروں کو بیان کرتا ہے ایک انفرادی سطح پر اور دوسرے اجتماعی سطح پر، چنانچہ اگر ایک طرف انسان کے ذمہ خود اپنی اصلاح ہے تو دوسری طرف اس کے ذمہ معاشرے کے دیگر افراد کی اصلاح کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ البتہ ایک خاص دائرہ میں یہ فریضہ مسلمانوں کے ایک گروہ کے سپرد ہے کہ وہ "داعی الی الخیر" بن کر لوگوں کو خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ان کی اصلاح وتربیت کے کام میں مشغول رہے ۔طالب علموں کی تربیت کی اہمیت کے پیش نظر یہ مقالہ لکھا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اس پر مواد کی کم یابی کی وجہ سے اس موضوع پر کام کیا جانا اساتذہ اور دیگر اہل علم کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم کو عام کر کے اس کی خوبیوں سے انسانیت کو متعارف کرانے اور اس کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اسلام کے تصور تربیت کو صحیح طور پر سامنے لایا جائے ۔دور حاضر میں ماہرین معاشرتی مسائل اور بے اطمینانی کی وجہ سے Social Sciences کی اہمیت کو تسلیم کر رہے ہیں اور Social Sciences میں علوم اسلامیہ کی اہمیت مسلمہ ہے۔ لہذا اس موضوع پر کام کرنا ضروری تھا۔ زیر نظر مقالہ کے آخر میں جامعات میں طلباء کی تربیت میں بہتری لانے کے لئے چند تجاویز دی گئی ہیں۔

1۔ تربیت کا معنی و مفہوم

تربیت، ربّٰی، یربی کا مصدر ہے جس کے معنی نشو و نما دینے کے ہیں۔[1] اسی سے لفظ مربی بنتا ہے۔امام راغب اصفہانی نے تربیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ھو انشاء الشئ حالا فحالا الی حد التمام[2] کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشو و نما دیتے رہنا کہ حد کمال کو پہنچ جائے۔الجوھری کی تعریف کے مطابق ربته ، تربية وتريته اى غدوته ، قال هذا لكل ما ينمى ما لولد والزرع ونحوه[3] یعنی یہ لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو نشو و نما پاتی ہے جیسے اولاد، کھیتی وغیرہ۔اللہ تعالی کی صفات میں ایک صفت رب ہے جس کے معنی پالنے والا ہے۔ اللہ تعالی اپنی مخلوقات کو پالنے کے عمل میں تدریج سے کام لیتے ہیں۔رب البیت گھر کے مالک کو کہتے ہیں جو اپنے گھر والوں کو نہ صرف پالتا ہے بلکہ ان کی تربیت بھی کرتا ہے۔تربیت کرنے والے کو ربانی بھی کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہؓ سے ربانی کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا" الربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کباره "[4] ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو بڑی باتوں سے پہلے چھوٹی باتوں کی تعلیم دے۔انگریزی لغت کے مطابق تربیت(Training) سے مراد ہے:-

"Give teaching and practice to (e.g. child, soldier, animal) in order to bring at a desired standard of behaviour, efficiency or physical condition." [5]

اسلام میں تعلیم و تربیت لازم و ملزوم ہیں۔ تعلیم و تربیت کے اسلامی مفہوم میں بڑی وسعت ہے اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جن کی ایک فرد کو ضرورت پڑتی ہے اور جن سے صحت و توانائی حاصل ہوتی ہے۔اخلاق سنورتے ہیں اور تکمیل ذات ہوتی ہے۔

تربیت کی اہمیت

تعلیم و تربیت میں تفریق کبھی اسلام کا منشا نہیں رہی، تعلیم کے معنی علم حاصل کرنے کے ہیں لیکن صرف علم حاصل کرنا مقصود نہیں ہے۔اصلی مقصود تو عمل ہے۔اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو تفویض کئے گئے فرائض خلافت کی ادائیگی عمل ہی سے ہوسکتی ہے اس لیے باعلم آدمی سے یہ توقع بجاطور پر کی جاتی ہے جس بات کو وہ جانتا اور مانتا ہے اس پر عمل

پیرا بھی ضرور ہو۔ بہت سے اشخاص عالم باعمل ہوتے ہیں لیکن معاشرے میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو بے عمل ہوتے ہیں اور اپنے علم پر عمل نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو باعمل بنانا ہے۔

ربانی وہ ہے جو علم سے اپنی پرورش کرے در حقیقت یہ دونوں معانی باہم متلازم ہیں۔ اسلام میں ایمان محض زبانی دعوی کا نام نہیں ہے کسی شخص کی زبان سے یہ اعلان کر دینا کہ وہ مومن ہے اسے مومن نہیں بنا دیتا بلکہ یہ ایک ایسی روحانی و اخلاقی حقیقت ہے کہ جو انسان کے دل و دماغ کی گہرائیوں تک اپنا اثر و نفوذ رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ ما وقر فی القلب وصدقه العمل[6] "ایمان وہ ہے جو دل میں سرایت کر جائے اور عمل اس کی تصدیق کر دے" تربیت کا مطلب ہے کہ فرد باعمل ہو، ہر مسلمان اعمال حسنہ پر کاربند ہو اس لیے کہ اسلام نے انسان کی نجات اکو انہی دو چیزوں یعنی ایمان و عمل صالح پر مبنی قرار دیا ہے یہ دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت سے عملاً یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایمان بنیاد ہے اور عمل صالح اس پر قائم شدہ دیوار جس طرح کوئی عمارت بنیاد کے بغیر بھی کھڑی نہیں ہو سکتی، اسی طرح وہ دیوار یا ستون کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک نے انسان کی فلاح و کامیابی کے ذریعہ کو کئی آیات میں بیان کیا ہے مگر ہر جگہ بلا استثناء (without any exception) ایمان اور عمل صالح دونوں پر اس کو جنتی قرار دیا ہے اور ہر جگہ ایمان کو پہلی اور عمل صالح کو دوسری مگر ضروری حیثیت دی ہے، فرمایا

والعصر ہ ان الانسان لفی خسر ہ الا الذین امنوا وعملوا الصلحٰت ----- [7]

"زمانہ گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے لیکن وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے"

یعنی زمانے کی پوری انسانی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ افراد اور قوموں پر کامیابی کے دروازے کھلے ہیں جنہیں ربانی حقائق کا یقین تھا اور اس یقین کے مطابق ان کے عمل بھی نیک ہوتے رہے، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہ ثم رددنٰه اسفل سافلین ہ الا الذین امنوا وعملو الصلحٰت فلهم اجر غیر ممنون[8]

"بے شک ہم نے انسان کو بہترین حالت درستی میں پیدا کیا پھر اس کو سب سے نیچوں کے نیچے لوٹا دیا لیکن جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے"

اس آیت میں انسانی فطرت کی بہترین صلاحیت کو پھر خود انسانوں کے ہاتھوں سے اس کی بدترین منزل تک پہنچ جانے کو بیان کیا گیا لیکن اس بدترین منزل کی پستی سے وہی لوگ بچائے جاتے ہیں جن میں ایمان کی رفعت اور عمل صالح کی

بلندی ہو۔ جنت کا حصول نسل اور قومیت پر موقوف نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے جو شخص جنت کی جو قیمت ادا کرے گا وہ اسی کی قیمت ہے۔ فرمایا

ان الذین امنوا والذین ھادوا والصابئون والنصاری من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون[9]

"بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے نہ تو ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

ایمان کے ہوتے ہوئے عمل سے محرومی تو محض فرض ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں عمل کی کمی ہے اسے کے بقدر ایمان میں بھی کمزوری ہے کسی چیز پر پورا یقین آجانے کے بعد اس کے بر خلاف عمل کرنا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ آگ کو جلانے والی آگ کے یقین کر لینے کے بعد پھر کون اس میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے لیکن نادان بچہ جو ابھی آگ کو جلانے والی آگ نہیں جانتا وہ بار ہا اس میں ہاتھ ڈالنے کو آمادہ ہو جاتا ہے اس لیے عمل کا قصور ہمارے یقین کی کمزوری کا راز فاش کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تنہا ایمان، یا تنہا عمل کو نہیں بلکہ ہر جگہ دونوں کو ملا کر نجات کا ذریعہ بتایا ہے فالذین امنوا وعملو الصلحٰت فی جنٰت النعیم[10] "تو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ آرام کے باغوں میں ہوں گے"

اسی طرح قرآن پاک میں تھوڑے تھوڑے تغیر سے 45 موقعوں پر یہ آیت ہے الذین امنوا وعملو الصلحٰت-----[11] "جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے"

اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں ایمان اور عمل باہم ایسے لازم و ملزوم ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ نجات اور کا مدار ان دونوں پر یکساں ہے البتہ اس قدر فرق ہے کہ رتبہ میں پہلے کو دوسرے پر تقدم حاصل ہے۔ بعض آیات میں ایمان کی بجائے اسلام یعنی اطاعت مندی اور عمل صالح کی جگہ احسان یعنی نیکو کاری کو جگہ دی گئی ہے۔ مثلاً ایک آیت میں یہود اور نصاریٰ کے اس دعوی کی تردید میں کہ بہشت میں صرف وہی لوگ جائیں گے، فرمایا بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنونہ[12]

’’کیوں نہیں جس نے خود کو اللہ کے تابع کیا اور وہ نیکو کار ہے تو اس کی مزدوری اس کے پروردگار کے پاس ہے نہ ڈر ہے ان کو اور نہ غم‘‘

ان تمام آیات سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ نجات کا مدار صرف ایمان پر نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح پر ہے۔اور یہی وہ سب سے بڑی صداقت ہے جس کے اسلام سے بیشتر مذاہب میں افراط اور تفریط نمایاں تھی۔عیسائیوں میں جیسا سینٹ پال کے خطوط (رومیوں کے نام) میں ہے کہ صرف ایمان پر نجات کا مدار ہے اور بدھ مذہب میں صرف نیکو کاری سے نروان کا درجہ ملتا ہے اور کہیں صرف گیان اور دھیان کو نجات کا راستہ بتایا گیا ہے۔مگر پیغمبر اسلام کے پیغام نے انسان کی نجات کا ذریعہ ذہنی (ایمان) اور جسمانی (عمل صالح) دونوں اعمال کو ملا کر قرار دیا ہے۔یعنی پہلی چیز یہ ہے کہ ہمیں اصول کے صحیح ہونے کا یقین ہو اسے ایمان کہتے ہیں۔پھر یہ کہ ان اصولوں کے مطابق ہمارا عمل درست اور صحیح ہو یہ عمل صالح ہے اور ہر قسم کی کامیابیوں کا دارومدار انہی دو باتوں پر ہے کوئی مریض صرف اصول طبّی کو صحیح ماننے سے بیماریوں سے نجات نہیں پاسکتا جب تک وہ ان اصولوں کے مطابق عمل بھی نہ کرے۔اسی طرح صرف اصول ایمان کو تسلیم کر لینا انسانی فوز وفلاح کے لیے کافی نہیں، جب تک ان اصولوں کے مطابق پورا پورا عمل بھی کیا جائے۔

ہر چیز کی نشو ونما، مقصد و نصب العین کے لحاظ سے الگ الگ طریقے سے ہوتی ہے مثلاً دودھ حاصل کرنے کے لیے گائے کو جس طریقے سے پالا جاتا ہے اس کا انداز تربیت اس سے مختلف ہوتا ہے جو گوشت حاصل کرنے یا اسے کھیت میں جوتنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔اسی طرح انسان کی تربیت کا مسئلہ بھی ہے چنانچہ ایک کیمونسٹ کی تربیت دوسرے ڈھنگ سے کی جاتی ہے جب کہ سرمایہ دار مہاجن کی بالکل اس کے برعکس طریقے پر، ایک مسلم کی تربیت جس ماحول میں ہوتی ہے اس پر قرآن کی چھاپ ہوتی ہے اور اسلامی تعلیمات کی اس پر حکمرانی ہوتی ہے ایسے ماحول میں کسی مسلم کی تربیت نہیں ہو سکتی جس میں جاہلیت غالب ہو۔وہ مسلمان جو اسلام کی چند بنیادی تعلیمات سے نماز، روزہ، ذکر اور دعا پر اکتفا کرتا ہے اس کے سامنے جب اسلام اور ملت اسلامیہ کی حالت زار کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ کچھ افسوس ظاہر کرتا اور کلمات ہمدردی ادا کرتا ہے ایسے مسلمانوں کی تربیت اس مسلم سے مختلف ہوگی۔جس کا دل مسلمانوں کی حالت زار پر پگھل جائے اور یہ غم اور دردو کرب اسے دفاعی اقدامات اور تبدیلی انقلاب کے لیے بے چین کر دے ظاہر ہے کہ اس کی تربیت کچھ دوسرے خطوط پر ہوگی۔

کر گس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور　　پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں

تربیت سے غفلت انسان کو اس کی حیثیت سے محروم کر کے ارذل ترین مقام پر لے آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حاملین توراۃ کا حال بیان ہوا ہے۔

مثل الذين حملو التورة تم لم يحملو ها كمثل الحمار يحمل سفارا بئس مثل القوم الذين كذبو بأيت الله والله لا يهدى القوم الظالمين ہ[13]

"جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا انکی مثال اس گدھے کی سی ہے جن پر کتابیں لدی ہوئی ہوں"

آیت بالا کی وضاحت میں سید مودودی لکھتے ہیں:۔ جن لوگوں پر تورات کے علم و عمل اور اس کے مطابق دنیا کی ہدایت کا بار رکھا گیا تھا انہوں نے اس کو اپنی ذمہ داری سمجھا اور نہ ہی اس کا حق ادا کیا۔ یعنی سب سے پہلے آگے بڑھ کر اس رسول ﷺ کا ساتھ دیتے جس کے آنے کی بشارت تورات میں دی گئی۔ مگر انہوں نے بڑھ کر اس کی مخالفت کی اور تورات کے تعلیم کے تقاضوں کو پورا نہ کیا۔ اور جس طرح گدھے پر کتابیں لدی ہوں اور وہ نہیں جانتا کہ اس کی پیٹھ پر کیا ہے اسی طرح یہود اپنے اوپر لادے ہوئے تھے انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ کتاب کس کے لیے آئی ہے اور ان سے کیا چاہتی ہے۔[14] اسی بنا پر آنحضور ﷺ نے دعا فرمائی اللهم انى اسئلک علما نافعا[15] "اے اللہ میں تجھ سے علم نافع کا طلبگار ہوں" غیر نافع علم سے یوں پناہ مانگی۔ اللهم انى اعوذبک من علم لا ينفع[16] "اے اللہ میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع مند نہ ہو" اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی نگاہ میں وہی علم نفع مند ہے جو انسان کو تزکیہ نفس کے ذریعے اسلامی و اخلاقی کردار کا حامل بنا دے۔ لہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام تعلیم و تربیت کی جدائی کے تصور سے ناآشنا ہے۔

عہد نبوی کا نظام تعلیم و تربیت

امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کی غرض سے سیدنا ابراہیمؑ نے ایک نصاب کی تجویز پیش کی جسے رب العزت کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل ہوا مجوزہ نصاب یہ تھا۔ ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلو ا عليهم ايتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم[17] "اے رب ان میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے"۔

گویا اسلام کے نصاب تعلیم و تربیت میں چار چیزیں لازمی ہیں۔

1۔ تلاوت آیات 2 ۔ تعلیم کتاب 3 ۔ تعلیم حکمت 4 ۔ تزکیہ نفوس

اللہ تعالی نے اس نصاب تعلیم و تربیت کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔

هو الذى بعث فى الامين رسولا منهم يتلوا عليهم ايته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة [18]

''وہی تو ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم و تربیت انہی عناصر اربعہ (تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت، تزکیہ نفس) پر استوار تھا جن کی تجویز و ترتیب و تشکیل حضرت ابراہیم نے فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت جس سرزمین پر ہوئی وہ ایک ریگستانی ملک ہے بارش وہاں کم ہوتی ہے نتیجتاً زراعت اور کاشتکاری بھی کم ہوتی ہے۔ عرب کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے۔ چارہ اور پانی کی تلاش میں سرگرداں رہتے اس لیے وہاں باقاعدہ سلطنت و حکومت قائم نہ ہوئی۔ ان حالات میں نہ وہاں تعلیم و تدریس کا چرچا تھا اور نہ ہی علوم و فنون کی گرم بازاری لکھنے پڑھنے سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ آنحضور ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ میں سترہ افراد پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ دنیائے عرب کی سے سے پہلی لکھی جانے والی کتاب قرآن مجید تھی اس سے پہلے کوئی کتاب نہ لکھی گئی صرف چند ایک دستاویزات ہیں مثلاً سبعہ معلقات جن کو لکھ کر بطور اعزاز و احترام کعبہ میں لٹکایا گیا تھا اسی طرح دوسرے معاہدے بھی لکھے جاتے تھے۔

ایک اسلامی معاشرے کے لیے صحیح ترین نظام تعلیم وہی ہو سکتا ہے جس میں روحانی علوم کے ساتھ مادی علوم کے پڑھنے پڑھانے کا بھرپور انتظام ہو۔ چنانچہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو نظام تعلیم محض روحانی علوم پر مشتمل ہو یا محض مادی علوم پر وہ مکمل اسلامی نظام تعلیم نہیں کہلا سکتا۔ مکمل اسلامی نظام تعلیم وہی ہو گا جس میں دین و دنیا کے نام پر دو قسم کے علوم نہ ہوں بلکہ تمام علوم دین کے نام پر ہوں اور ان کا مقصود و مطلوب انسانی فلاح ہو۔ چنانچہ عہد نبوی میں ایام جاہلیت کے علوم و فنون کی اسلامی نقطہ نظر سے چھان بین کی گئی۔ اسلامی تعلیمات کے منافی علوم کو یکسر ممنوع قرار دیا گیا اور اسلامی تعلیمات کے موافق علوم کو باقی رکھا گیا۔

تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اسلام کی نعمت کو پانے کے بعد دنیا کے تمام تمدن سے الگ تھلگ قوم کو علم کے اوج کمال تک پہنچنا نصیب ہوا۔ حضرت محمد نے اپنی تعلیم و تربیت سے گمراہ افراد کو دنیا کی راہنمائی کے قابل بنادیا۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اہل عرب کو علم سے کوئی سروکار نہیں تھا اس لیے کہ بہر حال عربوں کا علمی ذوق ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کا آغاز اس وقت ہو گیا تھا جب آنحضور ﷺ نے اللہ تعالی کی طرف سے لوگوں تک توحید کی دعوت پہنچائی۔ جب تک صحابہ نے ایک جماعت کی شکل اختیار نہ کی تھی انفرادی طور پر تعلیم و تربیت کا کام جاری رہا۔ آپ جو کچھ جبرئیل سے سیکھتے اپنے پیروکاروں کو اس کی تعلیم و تربیت دیتے۔ مکہ میں تعلیم و تربیت کے لیے باقاعدہ طور پر اسلام کی پہلی درسگاہ و تربیت گاہ کوہ صفا پر صحابی رسول حضرت ارقم کے گھر قائم ہوئی۔ دو اعتبار سے یہ تربیت گاہ دوسری تمام تربیت گاہوں سے مختلف تھی اول یہ کہ یہاں تعلیم و تربیت کا غیر اعلانیہ سلسلہ قائم تھا آپ پر ایمان لانے والے محتاط طریقے سے یہاں آتے تھے۔ دوم یہ کہ یہاں تربیت کا تمام سلسلہ بالمشافہ تھا چنانچہ یہاں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو قرآن مجید کی تعلیم اور عبادات کی زبانی تعلیم و عملی تربیت دیتے اور اپنے اخلاق سے ان کے قلوب کو پاکیزہ بناتے۔

تاریخ میں دار ارقم کے علاوہ بھی تعلیم و تربیت کے لیے ممکنہ ذرائع استعمال کرنا ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ تربیت یافتہ افراد کو معلم بنا کر گھروں میں تربیت کے لیے بھیجتے۔ جیسے خباب بن الارت کا حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ اور بہنوئی حضرت سعید بن زید کو ان کے گھر پر تعلیم دینے کا تذکرہ کتب تاریخ میں ملتا ہے۔[19]

مدینہ میں نظام تربیت

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کا فریضہ بعد از ہجرت زیادہ وسعت کے ساتھ منظم طور پر ادا کرنا ممکن ہو سکا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد آنحضور ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ حقیقی معنوں میں یہیں اسلامی شریعت کا نفاذ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل عمل میں آئی۔ قرآن مجید میں رب العالمین نے اہم ایمان کو جس فریضہ کی ادائیگی کا مکلف ٹھہرایا تھا اسے ادا کرنے کے لیے تعلیم و تربیت کا ایک باقاعدہ نظام وجود میں لایا گیا۔ علاوہ ازیں اہل مدینہ جب نعمت اسلام سے فیض یاب ہوئے تو ان کی درخواست پر آپ نے ایک تربیت یافتہ معلم کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا کہ وہ انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ بیعت عقبہ اولی کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام رقم طراز ہیں۔"جب لوگ (انصار) رسول اللہ کے پاس سے واپس ہو گئے تو آپ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ان لوگوں

کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ انہیں دین کے بارے میں بصیرت عطا کریں چنانچہ وہ انہیں نماز پڑھاتے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں تہتر مرد اور خواتین تھیں۔ اس موقع پر نبی کریم نے انصار میں بارہ نقیب مقرر فرمائے یہ نقیب نومسلموں کی باقاعدہ تعلیم و تربیت اور معاشرتی نمائندگی کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔[20]

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد آنحضور نے اہم جنگی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود تعلیم کے لیے وقت نکال لیتے تا کہ مدینہ سے ناخواندگی دور کی جاسکے۔ تاہم آپ نے حضرت سعید بن العاص کا تقرر کیا کہ وہ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں۔ یہ بہت خوشنویس تھے ایک راوی کے الفاظ میں ان کو معلم حکمت بنایا گیا تھا۔[21] جس سے لکھنے پڑھنے کو جو عظیم اہمیت دی جاتی تھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مسجد نبوی بطور تعلیمی و تربیتی ادارہ

مدینہ ہجرت کے بعد تعلیم و تربیت کے لیے نہایت اہم قدم مسجد نبوی کی تعمیر تھا۔ یہ مسجد اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ قرار پائی، اس طرح مدینہ میں بھی ایک مرکز تعلیم و تربیت وجود میں آگیا۔ جہاں آنحضور ﷺ اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد رسول مسجد میں ہی قیام فرماتے اور صحابہ کرام ؓ کو تعلیم دیتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ آپ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے تھے نماز فجر سے لے کر طلوع شمس کے تقریباً ایک گھنٹہ تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے "نماز فجر کے بعد ہم رسول کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے ہم میں سے کوئی شخص قرآن کے متعلق سوال کرتا کوئی فرائض اور وراثت کے متعلق دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر پوچھتا۔" نیز فجر کے بعد تعلیمی محفل کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ملتا ہے۔[22]

مقصد صرف یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضور ﷺ کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے اور معاشرے کے لیے اسوہ حسنہ اور نمونہ عمل بن سکے۔ اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔ تعلیم و تربیت کے لیے غیر معمولی اہتمام کے نتائج نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے

تھے۔ چنانچہ دور دراز سے قبائل اور مختلف وفود اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر مسجد نبوی کی درسگاہ میں آکر قیام کرتے اور دین کی تعلیم حاصل کرتے۔

صفہ بطور تربیت گاہ

صفہ اسلام کی پہلی باقاعدہ اقامتی یونیورسٹی تھی جہاں نبی اکرم ﷺ کی زیر نگرانی اصحاب تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ عہد نبوی میں مساجد صرف نماز کے لیے ہی استعمال نہ ہوتی تھی بلکہ یہ دن میں پانچ مرتبہ اہل محلہ کو متحدہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا اہم مرکز بھی تھیں۔ مدینہ منورہ میں صفہ واحد درسگاہ ہی نہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں عہد نبوی ﷺ میں موجود تھیں۔

"صفّہ سے مراد مکان کا ملحقہ حصہ ہے یہ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا جو اس غرض کے لیے مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم و تربیت کے لیے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھر طالب علموں کے لیے دارالاقامہ کا کام بھی دے اور مدرسہ کا بھی۔ اس اقامتی درسگاہ و تربیت گاہ میں جامع تربیتی نظام تھا چنانچہ قانون کی تعلیم دی جاتی تھی قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کروائی جاتی تھیں اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا۔ جس کی نگرانی خود رسول کریم ﷺ شخصی طور پر فرماتے تھے اور وہاں رہنے والوں کی غذا کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہ طلباء اپنی فرصت کے گھنٹوں میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درسگاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی مقیم طلباء کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور امام احمد بن حنبل کے بیان کے مطابق ایک وقت ان کی تعداد ستر تھی۔[23] صفّہ کی تربیت گاہ نے بہت سے قابل قدر ہستیاں پیدا کیں جنہوں نے مدینہ سے باہر دیہاتوں میں جا کر بھی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ادا کی، چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں" رسول کریم ﷺ اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے علاقوں کی طرف روانہ کر دیتے تاکہ وہ اس علاقہ میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں جس کے بعد وہ مدینہ واپس آجاتے"[24]

اسلامی تعلیم و تربیت کے درجات

دراصل اسلامی تعلیم و تربیت کا بنیادی مقصد افراد کو ان کے فرائض منصبی کی احسن ادائیگی کے لیے تیار کرنا ہے تا کہ وہ مطلوبہ کردار ادا کر سکیں چنانچہ آنحضور ﷺ نے عقل و ذہنی اعتبار سے مختلف افراد کے لیے علیحدہ علیحدہ تعلیم کا انتظام فرمایا۔ آپ عموماً پانچ سطحوں پر تعلیم دیتے تھے۔

1۔ ایک سطح مجموعی تعلیم کی تھی جس میں آپ تمام لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے۔

2۔ دوسری سطح ان لوگوں کی تھی جن کو معیاری علماء اور قائدین کی حیثیت سے تربیت دینا مقصود تھا۔

3۔ تیسرا دائرہ خواتین کا تھا جن کے لیے آپ ہفتہ میں ایک دن مقرر فرما دیا تھا اور بعد میں حضرت عائشہؓ کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی کہ آدھا علم یعنی نظام معاشرت اور خواتین کے ضروری معاملات میں معلومات مہیا کریں.

4۔ مختلف قبائل سے جو وفد آتے تھے ان کی تربیت اس طرح سے کی کہ وہ اپنے قبیلوں میں واپس جا کر تعلیم دے سکیں.

5۔ خاص خاص مواقع پر خاص خاص افراد کو انفرادی توجہ سے تعلیم و تربیت دینا۔

تربیت کا دائرہ کار

ہر زمانے اور قوم کے لحاظ سے تربیت کا دائرہ کار مختلف ہوتا ہے۔ تربیت کے مختلف ذرائع ہوا کرتے ہیں اور ہر ذریعہ کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نظام میں جسمانی تربیت پر زور دیا جاتا ہے اور اپنی ساری توجہ اس ایک تربیت پر ہی مرکوز ہوتی ہے، رومیوں کے ہاں یہی جسمانی تربیت کا نظام جسم کی پرستش، قوت وطاقت کے اظہار اور حسن پرستی میں بدل کر رہ گیا تھا۔ کسی مذہب میں صرف اخلاقی و معاشرتی تربیت کو اہم سمجھا جاتا ہے اور تربیت کے دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جیسے عیسائیت اور بدھ مت میں سارا زور انفرادی اخلاقی تربیت پر ہے کوئی تمھارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو۔ اس سے فرد کی انفرادی حیثیت مجروح ہوتی ہے یا اگر روحانی تربیت کرنے پر آئیں تو رہبانیت کا تصور سامنے آتا ہے۔ غرض مختلف نظاموں اور مذاہب میں تربیت کے کسی ایک پہلو کو تو اجاگر کیا گیا ہے مگر کوئی مکمل اور جامع نظام تربیت نہیں دیا گیا۔

اسلام کا نظام تربیت اس لحاظ سے بالکل منفرد اور حد درجہ ممتاز ہے کہ اس کے جملہ ذرائع اور تمام مقاصد، دائرہ کار ایک فکر اور ایک نظریہ سے پوری طرح مربوط اور پیوست ہیں۔ یہ نظام تربیت اس قدر مکمل جامع اور ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو اور کوئی گوشہ اس کی راہ نمائی اور ہدایت سے خارج نہیں ہے۔ اسلام اگر اپنے پیروکار کی ایمانی تربیت کی طرف توجہ دیتا ہے تو ساتھ ساتھ تربیت کے دیگر پہلوؤں کی طرف بھی توجہ دیتا ہے، اگر اسلام اخلاقی تربیت کرتا ہے تو اس کو کامل مومن ٹھہراتا ہے، جس کے اخلاق اچھے ہوں فضائل اخلاق کو اپنانے اور رذائل اخلاق سے بچنے کی ترغیب دیتا

ہے۔اسلام انسان کی تربیت میں اس کی جسمانی ضروریات کو بھی مد نظر رکھتا ہے چنانچہ ان لجسدک علیک حقا[25]اور تمہارے جسم کا تم پر حق ہے کہہ کر اس کی جسمانی صحت کا بندوبست کرتا ہے اور اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم[26]جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے توان کے دل دہل جاتے ہیں۔ کہہ کر اس کی روحانی نشوونما کی راہیں متعین کرتا ہے۔

تعلیمی تربیت کی اہمیت حصول علم ہر مسلمان مرد عورت پر فرض قرار دے کر اجاگر کرتا ہے،اسلامی تعلیمات کا ایک پہلو انسان کی نفسیاتی تربیت سے متعلق ہے چنانچہ وہ مختلف نفسیاتی امراض کا علاج بڑی خوبصورتی سے کرتا ہے اسلام انسان کے ذہن میں احساس کمتری کو جنم نہیں لانے دیتا بلکہ جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔صورکم فاحسن صورکم [27]میں نے تمہاری تصوری کشی کی اور عمدہ کی" غصہ پر قابو پانے والے کو بہادری قرار دے کر اشتعال انگیزی کی روک تھام کی، مایوسی کو کفر قرار دیا گیا، اور حسد کو نیکیوں کے لیے جلا کر بھسم کر دینے والی آگ قرار دیا گیا۔ معاشرتی تربیت کی اہمیت معاشرے کے تمام افراد کے حقوق و فرائض اجاگر کرکے واضح کی گئی والدین، اولاد، اقرباء، پڑوسی، ساتھی، کبار و صغار، مستضعفین وغیرہ سب کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کی گئی مزید برآں معاشرتی آداب کی تربیت بھی جو ایک مسلمان کے مہذب ہونے میں جو حصہ ہے اسے نمایاں کیا گیا۔ کہ کھانا کس طرح کھانا ہے کسی کے گھر جاتے وقت کن اصولوں کو سامنے رکھا جائے گا(استیذان) برخاست، عیادت، تعزیت، مبارکباد کے آداب سب مذہب اسلام میں واضح طور پر بتائے گئے ہیں، اسلام نے دین فطرت ہونے کے ناطے جنسی تربیت سے بھی اغماض نہیں برتا اور اس حوالہ سے بھی اس نے تربیتی خطوط واضح کیئے جنسی تربیت کے لیے نکاح کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

الغرض یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اسلام کے نظام تربیت کے علاوہ تربیت کا کوئی اور نظام انسانی تاریخ میں اتنا ہمہ گیر اور جامع وجود میں نہیں آیا۔اسلام کا نظام تربیت انسان کے سامنے ایک صاف سیدھی شاہراہ متعین کر دیتا ہے اور ایک مقصد سامنے رکھ دیتا ہے تاکہ انسان اپنی تمام فطری صلاحیتوں اور ان کے درمیان پورے تعاون اور ہم آہنگی اور سلامتی کے ساتھ اس مستقیم شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔اسلام کے نظام تربیت کی یہ خصوصیت اس قدر نمایاں اور واضح ہے کہ یہ پہلی ہی نظر میں آشکار ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اور یہ حقیقت کھلم کھلا محسوس ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نظام تربیت ہر لحاظ اور ہر پہلو سے انسان کے بنائے ہوئے تمام نظام ہائے تربیت سے بالکلیہ مختلف ہے۔

پاکستان میں (19-03-2019) بہاولپور میں انگریزی کے پروفیسر خالد حمید کا اپنے شاگرد کے ہاتھوں قتل کا المناک واقعہ سامنے آیا ہے ہمارے معاشرہ میں استاد اور شاگرد کا رشتہ باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے۔انسانی جان کی حرمت سے لے کر اختلاف رائے کے احترام تک ہماری سب قدریں پامال ہو گئی ہیں۔موجودہ معاشرہ کو پھر سے زندہ کرنا ہمارا اس وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے ہم ایک توانا روایت اور زندہ تہذیب کے وارث ہیں، ہمیں خود کو بازیافت کرنا ہے۔اس روایت کو زندہ کرنا ہے جو اختلاف رائے کی حامل تھی جس میں انسانی اقدار کو اہمیت دی جاتی تھی۔ہمارے معاشرہ میں چند لوگ ہمیں دوسروں سے تصادم پر ابھارتے رہے ہیں، ان کے خیال کے مطابق ہماری ناکامیوں کے خارجی اسباب ہیں، دوسروں سے نفرت کا سبق پڑھا کر آپ اپنے گھر کو آسودہ نہیں رکھ سکتے۔آج اساتذہ کے کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے کہ انہیں اس وقت درسگاہوں میں اپنے طالب علموں کی تربیت کے لئے ہمہ گیر اخلاقی اصول سکھانے ہیں۔ ہمیں قومی سطح پر انتہاپسندی، تشدد، اخلاقی گراوٹ اور معلومات کی کمی جیسے مسائل کا سامنا ہے ان مسائل سے نبردآزما ہونے کے لئے اساتذہ کو اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔اساتذہ اپنے شاگردوں کے لئے مثالی نمونہ (رول ماڈل) ہوتے ہیں انہیں اپنے قول و فعل سے خود کو ایک مخلص انسان بطور مثال پیش کرنا ہو گا۔

نتائج وسفارشات

- یونیورسٹیز میں بی ایس اور ماسٹرز لیول پر طالبعلموں کی تربیت کے لئے ایک مضمون لازمی متعارف کرانا چاہیے۔
- اس کے ساتھ ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ جب آپ نیچرل سائنس والے طلباء کو یہ نصاب پڑھا رہے ہیں تو ان کے لئے زیادہ ضروری تعلیم کیا ہے مقالہ نگار کے خیال میں اخلاقی تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ مختصر وقت میں طلباء یہ جان سکیں کہ اسلام کی اپنے ماننے والوں اور دیگر مذاہب کے ساتھ تعلیمات کیا ہیں اور ہمیں ان کا کس حد تک خیال رکھنا چاہیے۔ نیز زرعی تعلیم کے طلباء کے لئے ہمارے ہاں زراعت کی فقہ موجود ہے، ایگری کلچر کے طالبعلموں کو اس واقف کروایا جائے۔ انجینیرنگ کے اندر مسلمانوں کے جو کارنامے ہیں، جو ماہرین گزرے ہیں ان سے متعارف کروایا جائے۔میڈیکل کی تعلیم میں طبّی اخلاقیات پر زیادہ توجہ دی جائے۔

- ہمارے یہاں پڑھانے کا طریقہ کار لیکچر یعنی طلباء کو صرف سنانا ہے،اس کے لئے دیگر معاون طریقہ کار بھی عمل میں لانے چاہییں۔ طلباء سے پہلے سوالات کے ذریعہ ان کی سوچ معلوم(Brain Storming) کرنی چاہیے، پھر مکالمہ کا طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے۔
- طلبا کے گروپ بنا کر ان کی ڈسکشن کروانی چاہییے،ان سے کسی خاص موضوع پر مضمون لکھوا کر ان کی رائے معلوم کرنا چاہیے کہ طلباء کیا سوچتے ہیں اور ان کی سوچ اگر متشددانہ ہے تو ایک استاد کیسے اسے معتدل کر سکتا ہے ۔قرآنی تعلیمات اور دور نبوی ﷺ کے واقعات سے اس بارے میں مدد مل سکتی ہے۔
- طالب علموں میں معتدل سوچ پروان چڑھانے کے لئے استاد کو خود سب سے پہلے معتدل ہونا ضروری ہے۔اس کے لئے جامعات کے سربراہان کو چاہیے کہ وہ معتدل سوچ کے حامل افراد سے سیمینارز کروائے جو سوسائٹی میں اپنی معتدل سوچ کی شہرت رکھتے ہوں اور یہ سیمینارز frequent ہونے چاہییں تاکہ معاشرہ میں مثبت سوچ کو فروغ دیا جاسکے جس کی آج کے دور میں بہت ضرورت ہے۔اساتذہ چونکہ مختلف پس منظر رکھنے والے خاندانوں سے ہوتے ہیں لہٰذا ان کی ٹریننگ ایسی ہونی چاہیے کہ اسلام کا جو بیانیہ مذہبی و سماجی رواداری کا ہے، اساتذہ کی سوچ بھی اس سے ہم آہنگ ہو تاکہ وہ یہ سوچ طلباء میں منتقل کر سکیں۔
- دوران سمسٹر کم از کم چار ایسی ورکشاپ ڈیزائن کی جائیں جن میں اساتذہ، سکالرز،اور طلباء کی شمولیت یقینی ہو،ان کی participationہو۔ طلباء کے دل میں کیا ہے وہ جانا جائے تاکہ اگر کوئی فرسٹریشن ہے تو وہ گفتگو کے ذریعہ باہر آئے۔
- کبھی ماہرین نفسیات کو بھی سیمینارز میں بلانا چاہیے تاکہ وہ اساتذہ کی یہ تربیت کر سکیں کہ اگر کوئی سٹوڈنٹ زیادہ ذہنی پرابلم کا شکار ہو تو اس کی کیسے مدد کی جاسکتی ہے ان سے کارآمد ہدایات لی جاسکتی ہیں۔
- جامعات کے اپنے شہر میں قائم مدارس سے روابط ہوں اور دونوں اداروں کے طلباء کو اپنے اساتذہ کے ساتھ ان تعلیمی درسگاہوں میں وزٹ کرنے کی اجازت ہو تاکہ اس دوری کو ختم کیا جاسکے جو اس وقت موجود ہے۔

- اساتذہ طالبعلموں کو شہر میں قائم کردہ مسلمانوں کی تمام مساجد میں لے کر جائیں اور اسی مسلک کے مطابق نماز پڑھیں تاکہ پتہ چلے کہ بنیادی عبادت تو خدا کے سامنے سرنگوں ہونا ہے باقی تو فروعی اختلافات ہیں تاکہ طلباء کے اندر وسعت پیدا ہو سکے اور فرقہ واریت میں کمی ہو۔
- اساتذہ کو ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ وہ شہر میں قائم کردہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں پر اپنے طالب علموں کو لے جا سکیں اور اسلام کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کی خصوصیات سے بھی انہیں آگاہ کریں اور قرآن و حدیث نیز تاریخ سے مثالیں لے کر انہیں رواداری کی بات عملاً سمجھا سکیں۔
- مقالہ نگار کے خیال میں ان قرآنی آیات کو خاص طور پر شامل کیا جانا چاہیے جن میں والدین، قرابتداروں اور مساکین سے حسن سلوک کی تعلیمات دی گئی ہیں نیز کچھ اخلاقی آداب بتائے گئے ہیں تاکہ طلباء اپنے اندر ان خوبیوں کو پیدا کر سکیں یا مزید بہتر کر سکیں۔اسی طرح جن آیات میں پر امن غیر مسلموں سے اچھے تعلقات روا رکھنے کا فرمایا ہے تاکہ طلباء کے اندر غیر مسلک اور دیگر مذاہب کے ساتھ رواداری کی سوچ کو پروان چڑھایا جا سکے۔
- دوران سمسٹر 30 یا45 کریڈٹ آورز میں طلباء کے لئے سیمینارز اور ورکشاپ کا بندوبست کیا جائے تاکہ طلباء دوسرے سکالرز کے خیالات سے بھی واقف ہو سکیں۔ طلباء کے سوالات کو سنا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- دوبارہ نصاب ترتیب دیتے وقت مندرجہ بالا اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔ گو کسی حد تک اسلامیات لازمی کا نصاب ان اخلاقی قدروں کو پورا کرتا ہے لیکن مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1 نعمانی، عبدالرشید، مولانا، لغات القرآن، لاہور، دینی کتب خانہ اردو بازار، 46/3

2 اصفہانی، راغب حسین بن محمد، امام، مفردات القرآن (ترجمہ و حواشی محمد عبدہ، فیروز پوری،) لاہور، اہل حدیث اکیڈمی، 1971، ص376

3 ابن منظور افریقی، لسان العرب، قم، ایران، دار النشر الحوزہ، 1405ھ، 307/14

4 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، کراچی، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ

5 Hornly : Oxford Advance Dictionary of Current English London, Oxford University Press, 91

6 بخاری، الصحیح، کتاب الایمان

7 القرآن، العصر 103:3،1

8 القرآن، التین 95:6،4

9 القرآن، المائدۃ 3:69

10 القرآن، الحج 22:56

11 القرآن، الرعد 13:29

12 القرآن، البقرہ 2:112

13 القرآن، الجمعۃ 62:5

14 مودودی، ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، 489/5

15 احمد بن حنبل، المسند، مکہ مکرمہ، دار الباز للنشر والتوزیع، 342/6

16 ابن ماجہ، سلیمان بن اشعث، السنن، ابواب العلم، باب انتفاع بالعلم والعمل بہ، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، 1381ھ

17 القرآن، البقرۃ 2:129

18 القرآن، الجمعۃ 62:2

19 السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، لاہور، مکتبہ مدینہ اردو بازار، ص 110

20 ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، لاہور، مقبول اکیڈمی، 1961، 86/2

21 حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ص 195

22 بخاری، الصحیح، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرویاء بعد صلوۃ الصبح

23 حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص 196

24 ایضاً، ص 197

25 بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، 265/1

26 القرآن، الانفال 2:8

27 القرآن، الغافر 64:40